14

ہر قربانی کو انعام سمجھتے ہوئے پورا کرتے جاؤ

(فرمودہ 18/اپریل 1947ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''پچھلے خطبہ جمعہ میں مَیں نے اپنی بیماری کا ذکر کیا تھا اور یہ خطرہ ظاہر کیا تھا کہ خطبہ جمعہ کے بعد عام طور پر دورہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ سو اِسی طرح ہوا۔ مَیں خطبہ جمعہ پڑھ کے گیا تو رات کو پیر زیادہ متورّم ہو گیا اور متواتر درد شروع ہو گیا۔ بیچ میں ٹائیفائڈ کے ٹیکہ کی وجہ سے یا موسم کی تبدیلی کیوجہ سے دو دن بخار رہو گیا۔ کل کسی قدر افاقہ محسوس ہوتا تھا مگر شام کو پاؤں میں درد زیادہ ہو گیا مگر اس تکلیف کے باوجود آج بھی مَیں نے مناسب سمجھا کہ مَیں خود خطبہ بیان کروں کیونکہ یہ دن ایسے ہیں کہ ان میں امام اور جماعت کا تعلق جلد جلد تازہ ہوتے رہنا چاہئے تا کہ ہر ایک شخص اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے کی طرف متوجہ ہو۔

اسلامی جنگوں میں سے ایک جنگ اہم ترین جنگ تھی۔ اور وہ ایسی جنگ تھی کہ اس کے متعلق مسلمانوں کا خیال تھا کہ اس جنگ کا فیصلہ مسلمانوں کی حالت کو بالکل تہہ و بالا کرنے والا ہوگا۔ ایران کی سرحد پر ایک جگہ پر مسلمانوں نے غلطی سے دریا کو پُشت پر رکھا۔ اُس وقت عرب پانی سے گھبراتے تھے۔ گو بعد میں تو عرب ہی سمندر کے حکمران رہے ہیں اور سمندری سفروں کے متعلق انہوں نے بہت سی ایجادیں کی ہیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قبل عربوں کو سمندر سے کوئی لگاؤ نہ تھا اور وہ سمندر کے سفر سے گھبراتے تھے۔ کچھ عرصے تک یہی حالت رہی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کے بعد مسلمانوں نے سمندری سفر شروع کئے اور ان کا

خوف و ہراس بالکل جاتا رہا۔ اسلامی کمانڈر نے جب دریا کو پُشت پر رکھا تو بعض مسلمانوں نے اس کے سامنے یہ بات پیش کی کہ عربوں کو دریا پار کرنا نہیں آتا۔ اگر ان کو پیچھے ہٹنا پڑا تو ان کی پوزیشن خطرناک ہو جائے گی لیکن کمانڈر نے ان کی بات نہ مانی۔ لڑائی شروع ہوگئی۔ دشمن کی سپاہ بہت زیادہ تھی۔ مسلمانوں کو اپنے بچاؤ کے لئے پیچھے ہٹنا پڑا۔ لڑائیوں میں فوجیں آگے بھی بڑھتی ہیں اور پیچھے بھی ہٹتی ہیں۔ موقع کے مطابق قدم اٹھایا جاتا ہے۔ اسلامی فوجیں اس سے پیچھے ہٹیں کہ ہم ذرا پیچھے ہٹ کر اپنی تنظیم کو مضبوط کر لیں گے اور پھر زیادہ زور سے حملہ کریں گے لیکن دشمن کا اس قدر زور تھا کہ ان کو اتنا پیچھے ہٹنا پڑا کہ دریا کا کنارا آ گیا۔ جب وہ دریا کے کنارے تک پہنچ گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں بھی اُن کے لئے کوئی ایسی جگہ نہ تھی جس میں وہ سب منظّم ہو کر حملہ کر سکتے۔ اس لئے مسلمان ندی میں کود گئے اور چونکہ وہ تیرنا نہیں جانتے تھے بہت سے ان میں سے ڈوب گئے اور کچھ ایک چھوٹے سے پل کی طرف دوڑے جو کہ دریا کو عبور کرنے کے لئے بنا ہوا تھا اُس پر دشمن قبضہ کر چکا تھا۔ وہ درمیان میں ہی تھے۔ چنانچہ انہیں دشمن کی فوجوں نے گھیر لیا اور بہتوں کو قتل کر دیا۔ بہت تھوڑے مسلمان وہاں باقی رہ گئے اور مدینہ قریباً ننگا ہو گیا اور مسلمانوں کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ اب دشمن مدینہ پر حملہ کر دے گا۔ اُس وقت حضرت عمرؓ نے شام کی طرف آدمی بھجوائے کہ جتنی فارغ فوج وہاں ہے وہ بھیج دی جائے اور کچھ آدمی قبائل میں سے جمع کئے اور ایک چھوٹا سا لشکر مقابلہ کے لئے تیار کیا۔ وہ ایسا نازک موقع تھا کہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ لشکر کی کمان مَیں خود کروں گا اور مَیں خود میدانِ جنگ میں جاؤں گا۔ باقی صحابہؓ نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کا میدانِ جنگ میں جانا مناسب نہیں کیونکہ اگر خدانخواستہ ہمیں شکست ہو تو آپ اَور لشکر بھجوا سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ ہمارے ساتھ میدان جنگ میں چلیں اور آپ خدانخواستہ شہید ہو جائیں تو پھر سوائے مسلمانوں کی تباہی اور ابتری کے اَور کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا۔ باقی صحابہؓ نے بھی حضرت علیؓ کی بات کی تائید کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی بات مان لی اور حضرت سعدؓ کو فوج کا کمانڈر مقرر کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ عین اس خطرناک موقع پر انہیں ایک پھوڑا نکل آیا جس کی تکلیف کی وجہ سے آپ بیٹھ نہیں سکتے تھے جب تک کہ چاروں طرف سے کسی چیز کا سہارا نہ ہو لیکن

فوج کی کمان بہرحال ضروری تھی اس لئے آپ کو ایک عرشہ پر بٹھایا گیا اور آپ عرشہ پر بیٹھے ہوئے فوج کی کمان کرتے۔ غرض نازک مواقع پر افسر کو تکلیف اُٹھا کر بھی جماعت سے واسطہ قائم رکھنا پڑتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی زمانہ ہے۔ اِسی جنگ کے ایک واقعہ کی طرف میں آج جماعت کو توجہ دلاتا ہوں۔

حضرت خنساءؓ عرب کی ایک مشہور شاعرہ تھی۔ وہ کفر کے زمانہ میں بھی بہت شہرت حاصل کر چکی تھیں اور آج تک ادبی دنیا میں بہت بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں ایمان لائیں۔ حضرت عمرؓ اُن کے اشعار کو بہت پسند کرتے تھے اور آپ اکثر حضرت خنساءؓ کے شعر پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اپنے ایک بھائی سے بہت محبت تھی۔ وہ ایک جنگ میں شہید ہو گئے۔ آپ جب بھی اِن کو یاد کرتے تو آپ پر رقت کی حالت طاری ہو جاتی۔ ایک دفعہ حضرت خنساءؓ آپ سے ملنے آئیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے اپنا کوئی قصیدہ سناؤ۔ حضرت خنساءؓ نے اپنے بھائی کے متعلق ایک قصیدہ کہا ہوا تھا وہ حضرت عمرؓ کو سنایا۔ وہ قصیدہ سُن کر آپکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے فرمایا افسوس مَیں شاعر نہیں۔ اگر مَیں شاعر ہوتا تو مَیں بھی اپنے بھائی کے متعلق ایسا ہی مرثیہ کہتا۔ حضرت خنساءؓ نے کہا میرا بھائی تو کفر کی حالت میں مرا ہے لیکن آپ کا بھائی خدا تعالیٰ کی راہ میں مرا ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کے قرب میں جگہ پائی ہے۔ اگر میرا بھائی اس طرح مرتا تو مَیں اس کا ہرگز افسوس نہ کرتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ ٹھیک کہتی ہیں۔

خنساءؓ ایسی عورت تھیں کہ جن کی ساری عمر ہی مصیبت میں گزری اور وہ مصیبت ہی ان کو شاعرہ بنانے کا موجب ہوئی۔ وہ ایک رئیس کی لڑکی تھیں باپ نے ایک رئیس کے لڑکے سے ان کی شادی کی لیکن وہ لڑکا بہت عیاش اور جوئے باز تھا اور ہر وقت شراب کے نشہ سے بدمست رہتا تھا۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد اس لڑکے کا والد فوت ہو گیا۔ اس نے تمام جائیداد جوئے اور شراب میں تباہ کر دی اور خنساءؓ کے باپ نے جو کچھ دیا تھا وہ بھی کھا گیا اور اس عرصے میں خنساءؓ کا باپ بھی فوت ہو گیا۔ جب ساری جائیداد اس نے تباہ کر دی اور جؤا کھیلنے اور شراب کے لئے پاس کچھ نہ رہا تو وہ سخت غمگین ہوا۔ ایک دن افسوس کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ خنساءؓ اس کے پاس گئیں اور پوچھا اِس قدر افسردہ کیوں ہو؟ کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا ہونا کیا تھا سارا مال تباہ ہو گیا

ہے اور اب گزارے کی صورت مشکل نظر آتی ہے۔ خنساءؓ نے کہا یہ بھی کوئی غمگین ہونے کی بات ہے۔ میرا بھائی زندہ ہے جب تک وہ زندہ ہے ہمیں کیا ڈر ہے۔ پھر اپنے بھائی کو اطلاع دی کہ ہم ملنے کے لئے آرہے ہیں اور خاوند کو ساتھ لے کر بھائی کی ملاقات کے لئے چل پڑیں۔ بھائی بھی ایسا فراخ دل تھا کہ بجائے اس کے کہ اس کے دل میں اپنے بہنوئی کو ملامت کرنے کا خیال پیدا ہوتا اس نے اردگرد کے قبائل کے سرداروں کو دعوت نامے بھجوائے کہ میری بہن اور میرا بہنوئی آرہے ہیں ان کی آمد کی خوشی میں آپ لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے اور ان کے استقبال کے لئے بڑی شان وشوکت سے ایک دومنزل آگے گیا اور جب تک بہن اور بہنوئی اس کے پاس رہے دعوتیں ہوتی رہیں۔ جب بہن واپس آنے لگی تو اس نے اردگرد کے قبائل کے سرداروں سے کہا کہ یہ میری بہن ہے اور مَیں اس کا بھائی ہوں اور یہ انصاف کے خلاف ہے کہ میری بہن غریب ہو جائے اور مَیں اسکی مدد نہ کروں۔ آپ لوگوں سے میری درخواست ہے کہ آپ میری دولت بانٹ کر آدھی میری بہن کو دے دیں۔ اُن دنوں روپے تو بہت کم ہوتے تھے اونٹنیاں اور بکریاں ہی دولت سمجھی جاتی تھیں اور ایک ایک امیر آدمی کے پاس سینکڑوں ہزاروں جانور ہوتے تھے اور اس کے علاوہ سامانِ حرب بھی دولت میں شمار کیا جاتا تھا۔ اُن رؤساء نے اُن کے مال کا اندازہ لگایا اور اسے دوحصوں میں تقسیم کر دیا۔ بہن آدھا حصہ لے کر بھائی سے رخصت ہوئی۔ گھر پہنچ کر کچھ دیر تو اُس کا خاوند سنبھلا رہا لیکن پھر بدعادتیں لَوٹ آئیں اور وہی پہلے لچھن اس نے اختیار کر لئے۔ شراب اور جؤا پھر شروع ہو گیا۔ وہ مال بھی تمام کا تمام ختم ہو گیا۔ پھر ایک دن اسے پریشان بیٹھا دیکھ کر خنساءؓ نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگا سارا مال ختم ہو گیا ہے۔ اب کیسے گزر ہوگی؟ خنساءؓ نے کہا گھبراتے کیوں ہو میرا بھائی زندہ ہے۔ پھر بہن اپنے خاوند کو لے کر اپنے بھائی کے پاس پہنچی۔ بھائی نے اس دفعہ پہلے کی نسبت بھی زیادہ شاندار استقبال کیا اور زیادہ شاندار دعوتیں کیں۔ پھر آخر میں کچھ رؤسا سے کہا کہ میری آدھی دولت میری بہن کو دے دیں۔ پھر آدھی دولت لے کر بہن اپنے بھائی سے رخصت ہوئی۔ واپس آ کر کچھ دیر تو اس کے خاوند کی عادات میں اصلاح رہی۔ اس کے بعد بدعادات پھر عَود کر آئیں اور کچھ عرصے کے اندر اس نے وہ دولت بھی اڑا دی اور اب اس کے دل میں ندامت پیدا ہوئی کہ اب لینے نہیں

جاؤں گا اور خودکشی کرلوں گا مگر خنساءؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا گھبراتے کیوں ہو میرا بھائی موجود ہے اس کی موجودگی میں ہمیں کیا ڈر ہے۔ اور وہ پھر اُسے ساتھ لے کر بھائی کے پاس گئیں۔ بھائی نے پہلے سے بھی زیادہ شاندار استقبال کیا اور زیادہ شاندار دعوتیں کیں۔ اور پھر کچھ رؤساء سے کہا میری دولت برابر برابر تقسیم کر کے آدھی میری بہن کو دے دو۔ اس دفعہ اس کی بیوی نے کہا کچھ خدا کا خوف کرو تمہارے بھی بیوی بچے ہیں ان کا کیا بنے گا؟ وہ تو جواری ہے تم اسی طرح سب کچھ لُٹاتے جاؤ گے؟ بھائی نے اپنی بیوی سے کہا تم خاموش رہو۔ اگر مَیں مر گیا تو تم تو اَور خاوند کر لو گی لیکن میری بہن ہی ہے جو مجھے ساری عمر روئے گی۔ پھر بھائی نے آدھی دولت بہن کے سپرد کی۔ بہن وہ دولت لے کر پھر گھر واپس آ گئی۔ وہ بھی اس نے ضائع کرنی شروع کر دی لیکن کچھ عرصہ بعد وہ مر گیا اور اس نے غالباً تین بیٹے چھوڑے۔ کچھ دیر کے بعد بھائی بھی مر گیا۔ اس محبت کرنے والے بھائی کی موت نے بہن کے دل پر ایسا گہرا زخم لگایا کہ اس نے اپنے بھائی کی یاد میں مرثیے کہنے شروع کر دیئے اور درد اور محبت کی وجہ سے ان کے خیالات ایسا رنگ پکڑ گئے کہ عرب کے بڑے بڑے شاعر ان کے شعروں کی داد دینے لگے اور حضرت خنساءؓ عورتوں میں سے سب سے بڑی شاعرہ بن گئیں۔ جب حضرت عمرؓ نے اوپر کی بیان کردہ شکست کے بعد دوبارہ لشکر تیار کیا تو اُس میں حضرت خنساءؓ کے بیٹے شامل تھے۔ جیسا کہ مَیں پہلے بتا چکا ہوں اسلامی لشکر قریباً تمام تباہ ہو چکا تھا۔ جلدی جلدی حضرت عمرؓ نے تھوڑی سی فوج جمع کی۔ دشمن کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی اور اسلامی لشکر کی تعداد دس ہزار سے لے کر تیس ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔ عام روایت دس بارہ ہزار کی ہی ہے۔ یہ دس بارہ ہزار سپاہی بھی ناتجربہ کار اور فنونِ جنگ سے محض نابلد تھا۔ سوائے شام سے آنے والے حصہ کے کہ وہ تجربہ کار تھا۔ ایرانیوں نے اس لڑائی میں یہ تدبیر کی کہ وہ میدانِ جنگ میں ہاتھیوں کو آگے رکھتے تھے۔ عرب لوگ ہاتھیوں سے ڈرتے تھے۔ اونٹ بھی ہاتھی سے ڈرتا ہے۔ جب ایرانی ہاتھیوں کو آگے کرتے تو اونٹ ڈر کر بھاگنا شروع کر دیتے اور ڈٹ کر لڑائی کرنا مشکل ہو جاتا۔ مسلمانوں کو اس لڑائی کا نتیجہ نظر آنے لگا اور وہ سمجھنے لگے کہ اگر یہی حالات رہے تو ہم اب بھی فتح نہیں پا سکیں گے۔ آخر ایک دن مسلمان بہادروں نے فیصلہ کیا کہ کل کی لڑائی فیصلہ کن لڑائی ہو۔ اس طرح نہیں کہ حکمت

اور داؤ پیچ کر کے جان بچانے کی فکر کی جائے بلکہ کل سب کو فنا ہو جانا چاہیئے ۔سب مسلمانوں نے بہادری کے عہد کئے اور مختلف پارٹیاں بنائیں کہ اس طرح ہم دشمن کا مقابلہ کریں گے۔اس جنگ میں حضرت خنساءؓ بھی شامل تھیں۔ان کے متعلق آتا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو لے کر الگ ہو گئیں اور اپنے بیٹوں سے کہا میرے بیٹو! تم نے میری زندگی دیکھی ہے۔مَیں نے تمہارے لئے ساری جوانی برباد کر دی اور دوسری شادی نہیں کی ۔تم نے بھی سن لیا ہو گا کہ تمہارے باپ کا سلوک میرے ساتھ کیسا تھا۔اس نے اپنی جائیداد اور میری جائیداد بھی شراب اور جوئے میں تباہ کر دی۔ باوجود ایسے ذلیل سلوک کے مَیں نے اس کی عزت کو قائم رکھا اور اپنی ساری جوانی لُٹا کر تم کو پالا۔کیا یہ ٹھیک ہے؟ بیٹوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے۔حضرت خنساءؓ نے کہا مَیں نے تمہاری کتنی خدمات کیں اور کس طرح مصیبتیں اٹھا کر تمہیں پالا۔ اِن خدمات کے عوض مَیں تم سے ایک مطالبہ کرتی ہوں کہ آج اسلام پر بہت نازک وقت آیا ہے تم لڑائی میں جارہے ہو۔مَیں تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ یا تو تم فاتح ہو کر لوٹو اور یا پھر وہیں شہید ہو جاؤ۔مَیں تم کو زندہ نہ دیکھوں۔ اگر مسلمانوں کو شکست ہوا اور تم زندہ رہے تو مَیں قیامت کے دن تمہیں اپنی یہ قربانی نہ بخشوں گی۔ لڑکوں نے اپنی ماں سے وعدہ کیا کہ لَوٹیں گے تو فاتح ہو کر لَوٹیں گے۔نہیں تو میدانِ جنگ میں ہماری لاشیں دیکھ لینا۔اور پھر انہوں نے اس وعدہ کو پورا بھی کیا۔سب سے بڑا ہاتھی جو کہ ہاتھیوں کے آگے بڑھ کر حملہ کرتا تھا اُس پر حملہ کرنے کیلئے ایک عرب سردار نے اِن لڑکوں سے کہا کہ تم میرے ساتھ مل کر اس ہاتھی پر حملہ کر دو۔اُس زمانہ میں بندوق اور توپ تو تھی نہیں تلوار سے ہی لڑائی ہوتی اور تلوار سے لڑنے والے کو دوسرے کے بالمقابل جانا پڑتا ہے۔اس سردار نے کہا میں ہاتھی پر سامنے کی طرف سے حملہ کروں گا اور تم دائیں بائیں پہلوؤں پر رہنا۔مَیں ہاتھی پر حملہ کرونگا تو وہ مجھے اپنی سُونڈ میں لے کر اٹھا کر مارے گا۔تو تم اس اثناء میں اس پر دائیں اور بائیں سے حملہ کر دینا۔ وہ مجھے چھوڑ دے گا اور دوسری طرف متوجہ ہو گا۔اس طرح ایک وقت میں ہم تین طرف سے اُس پر حملہ کریں گے اور ہوسکتا ہے کہ ہمارے حملہ کی وجہ سے ہاتھی بھاگ جائے یا زخمی ہو جائے۔ ہاتھی کا قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ حملہ کے وقت آدمی کو سُونڈ سے اٹھا کر زمین پر مارتا ہے اور گُھٹنوں کے نیچے لیکر اوپر چڑھ جاتا ہے۔اور ہاتھی کا بوجھ سینکڑوں من ہوتا ہے انسان اُس کو

برداشت نہیں کرسکتا اور مر جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اِسی طرح کیا۔ ہاتھی نے سُونڈ بڑھا کر حملہ آور کو پیٹھ پر سے پکڑ لیا اور زور سے اٹھا کر زمین پر دے مارا اور قریب تھا کہ وہ اس پر اپنے گُھٹنے رکھ دیتا کہ دوسرے ساتھیوں نے دائیں بائیں سے ہاتھی پر بے تحاشا تلواروں کے حملے کرنے شروع کر دیئے۔ اِس پر اُس نے سامنے کے آدمی کو چھوڑ کر دائیں بائیں والے آدمیوں میں سے ایک کو پکڑ لیا اور اسے بھی زور سے زمین پر دے مارا۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ اس کو اپنے گُھٹنے تلے کچل دیتا دوسرے ساتھیوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اسی طرح حملہ ہوتا چلا گیا۔ کبھی ہاتھی ایک کو اٹھا کر گراتا کبھی دوسرے کو مگر وہ لوگ نڈر ہو کر حملہ کرتے چلے گئے اور ہاتھی بُری طرح زخمی ہو کر پیچھے کو بھاگا۔ جب سب سے بڑا ہاتھی بھاگا تو باقی ہاتھی بھی اس کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے اور وہی ہاتھی جو کہ فوج کے بچاؤ کا موجب تھے فوج کی تباہی کا موجب ہوئے کیونکہ وہ اپنی ہی پیادہ فوجوں کو پاؤں تلے روندتے چلے جاتے تھے۔ انکی یہ قربانی بظاہر چھوٹی نظر آتی ہے مگر اس میں جو بے جگری نظر آتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہی ہے۔

حضرت خنساءؓ کے متعلق لکھا ہے کہ اِدھر تو انہوں نے اپنے بیٹے مرنے کے لئے میدانِ جنگ میں بھیج دیئے اُدھر ماں کی مامتا جوش میں آئی اور وہیں جنگل میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر گئیں اور اپنے بیٹوں کے لئے دعا مانگنے لگیں کہ الٰہی! تُو جانتا ہے مَیں نے اپنی جوانی کس طرح برباد کی۔ میری ساری عمر کی کمائی یہی بچے ہیں۔ مَیں نے آج ان کو اسلام کے لئے قربان ہونے کے لئے بھیج دیا ہے اُن کا فرض یہی تھا اور میرا فرض بھی یہی تھا لیکن تجھ کو طاقت ہے کہ تُو اسلام کو بھی فتح دے اور میرے بچے بھی زندہ واپس آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو فتح دی اور ان کے بچے بھی زندہ واپس آ گئے۔

مَیں اِس واقعہ کو بتا کر آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نازک وقتوں میں انتہائی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر ایک چیز کا ایک درجہ ہوتا ہے اور ہر ایک درجے کے لئے علیحدہ علیحدہ چیز مناسب ہوتی ہے۔ اگر ایک دوپٹے کو آگ لگ جائے تو اسے پانی کے ایک لوٹے سے بجھا لیتے ہیں۔ اور اگر کسی چٹائی یا دری کو آگ لگ جائے تو اس کے بجھانے کے لئے زیادہ پانی اور زیادہ کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر کسی کمرے کو آگ لگ جائے تو اس کے بجھانے کے لئے اور بھی زیادہ قربانی اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر کسی گھر کو آگ لگ جائے تو اس کے

بجھانے کے لئے اس سے بھی زیادہ قربانی اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر کسی محلے کو آگ لگ جائے تو اس کے بجھانے کے لئے اس سے بھی زیادہ قربانی اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر کسی شہر کو آگ لگ جائے تو اس کے بجھانے کے لئے اس سے بھی زیادہ قربانی اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھی ملکوں میں بھی آگ لگ جاتی ہے اُس وقت اس آگ کو بجھانے کے لئے بہت زیادہ قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے اور موجودہ وقت ایسا ہی ہے۔

مَیں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں جماعت کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلائی تھی۔ خطبہ کے دوسرے دن ہی میری سالی عزیزہ اپنے بھتیجے صباح الدین کو لے کر میرے پاس آئیں۔ اُس کی عمر نو دس سال کی ہے۔ اور مجھے بتایا کہ یہ کہتا ہے کہ مَیں نے خطبہ سنا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا ہے کہ سو فیصدی قربانی کرو۔ میرے پاس جو کچھ ہے مَیں سو فیصدی قربانی کروں گا۔ اس پر مَیں نے کہا کہ نہیں حضرت صاحب نے ایک فیصدی قربانی کا مطالبہ کیا ہے اس لئے تم ایک فیصدی دو۔ اس نے جواب دیا کہ میرے کانوں نے تو یہی سنا ہے کہ سو فیصدی قربانی کرو۔ اس لئے مَیں سو فیصدی ہی دوں گا۔ عقلمند والدین اپنے بچوں کو جمع کرنے کی عادت ڈالتے ہیں اور مٹی کی ایک چھوٹی سی ہنڈیا جس کا منہ بند ہوتا ہے لا کر دے دیتے ہیں۔ اُس میں ایسا سوراخ ہوتا ہے کہ اس میں روپیہ پیسہ ڈالا تو جا سکتا ہے لیکن نکالا نہیں جا سکتا سوائے اِس کے کہ اُس کو توڑا جائے۔ بچے اُس میں پیسے روپے جمع کرتے رہتے ہیں۔ اس کے والدین نے بھی اُسے پیسے جمع کرنے کی عادت ڈالی تھی اور ویسا ہی مٹی کا برتن لا کر دیا ہوا تھا۔ مَیں نے یہ بات سن کر اس بچہ سے کہا کہ بہت اچھا! پھر تم وہ برتن یہاں لے آؤ۔ وہ گیا اور مٹی کا برتن لے آیا جس میں اس نے پیسے جمع کئے ہوئے تھے۔ وہ برتن اس نے دیوار کے ساتھ مار کر توڑا اور اس میں سے چھبیس روپے، سات آنے اور ڈیڑھ پائی نکلے۔ وہ روپے مَیں نے دفتر والوں کو دے دیئے اور ساتھ ہی یہ ہدایت کی کہ اس جذبہ میں بڑوں اور چھوٹوں، مَردوں اور عورتوں سب کے لئے ایک سبق ہے۔ اس سبق کو نمایاں رنگ میں جماعت کے سامنے پیش کیا جائے۔ لیکن الفضل میں اسے نہایت بھونڈے طریق پر شائع کیا گیا ہے اور یہ لکھا گیا ہے کہ صباح الدین نے چھبیس روپے، بارہ آنے اور چھ پائی چندہ دیا ہے۔ حالانکہ اگر خبر یہ تھی تو اس کے شائع کرنے میں کونسا فائدہ تھا؟ میری بیوی نے

دفتر پرائیوٹ سیکرٹری کو میری ہدایت کے ماتحت میری موجودگی میں فون پر سب کچھ سمجھا دیا تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے الفضل کو ایک ناقص رپورٹ بھجوادی۔ اور الفضل والوں کو بھی یہ خیال نہ آیا کہ آیا اس خبر میں حکمت کیا ہے کہ اسے شائع کیا جائے۔ چندے تو سارے لوگ دیتے ہیں اس کے شائع کرانے کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس میں ایک نکتہ تھا اور جماعت کے لئے ایک سبق تھا۔ اس میں سبق تھا بچوں کے لئے۔ اس میں سبق تھا بڑوں کے لئے۔ اس میں سبق تھا مردوں کے لئے۔ اس میں سبق تھا عورتوں کے لئے۔ ایک چھوٹا بچہ اپنی پھوپھی سے کہتا ہے کہ آپ کے کانوں نے ایک فیصدی سنا ہوگا۔ آپ بےشک ایک فیصدی دیں۔ لیکن میرے کانوں نے چونکہ سو فیصدی سنا ہے۔ چاہے یہ غلط ہے یا صحیح میں سو فیصدی ہی دوں گا۔ یہ جذبہ اطاعت ہے جو ہر مومن کے اندر پیدا ہونا چاہیئے۔

اِسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ آپ گلی میں آرہے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے کناروں پر کھڑے ہونے والوں کو کہا۔ دوست بیٹھ جائیں۔ پتہ نہیں کہ وہ لوگ بیٹھے یا نہ بیٹھے کیونکہ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مستثناء سمجھتے ہیں کہ یہ حکم ہمارے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے ہے۔ حالانکہ وہ حکم سب کے لئے یکساں ہوتا ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو گلی میں آرہے تھے آپؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز سنی تو آپؓ گلی میں ہی بیٹھ گئے اور بیٹھے بیٹھے چلنا شروع کیا۔ کسی نے کہا آپؓ یہ کیا بچوں والی حرکت کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیٹھ جاؤ۔ مَیں بیٹھ گیا ہوں۔ اس گزرنے والے شخص نے کہا کہ آپؐ کا وہ حکم تو اُن لوگوں کے متعلق ہے جو مسجد میں ہیں نہ اُن کے متعلق جو کہ گلی میں چل رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کیا پیارا جواب دیا کہ بےشک آپؐ نے مسجد والوں کو ہی کہا ہوگا لیکن میرے کانوں نے جب آپؐ کی آواز سنی ہے تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ مَیں آپ کا ایک حکم سنوں اور اس پر عمل نہ کروں۔ 1

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بہت پرانے صحابی تھے اور وہ ایک لمبے عرصہ تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت میں رہے۔ قرآن کریم کے حافظوں میں سے تھے اور ابتدائی ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ اِس کے باوجود ہم اُن کی اس اطاعت اور فرمانبرداری کی روح کو دنیا کے سامنے بطور مثال کے پیش کرتے ہیں کہ ایمانداروں کی فرمانبرداری اسی طرح ہوتی ہے

کہ وہ اس بات کی انتہائی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی حکم ایسا نہ رہے جس کو ہمارے کان سنیں اور ہم اُس پر عمل نہ کرسکیں۔ لیکن یہ ایک بچے کا واقعہ ہے اور ایسے بچے کا جس کی عمر نو دس سال ہے۔ لیکن جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا تھا اُسی طرح کا جواب اِس کا ہے کہ ایک فیصدی نہیں سو فیصدی دوں گا کیونکہ میرے کانوں نے یہ سنا ہے۔ کتنا بڑا سبق ہے اِس میں عقلمندوں کے لئے۔ اگر ایک بچہ اس قسم کا پختہ ایمان پیش کرسکتا ہے تو وہ جو کہ مستقل اور پختہ ایمان والے ہیں اور جو کہ مستقل ایمان میں سے گزر رہے ہیں اُن کے اندر اِس سے کہیں بڑھ کر قربانی کا جذبہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کب تک اس کے اندر موجزن رہے گا کیونکہ بچوں پر مختلف دَور آتے رہتے ہیں۔ لیکن اِس وقت اِس نے جو جذبہ پیش کیا ہے وہ قابلِ رشک ہے۔ بعض باتیں چھوٹی ہوتی ہیں لیکن اس میں سبق بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور وہ روح جو اُس کام کے اندر ہوتی ہے وہ قابلِ تعریف ہوتی ہے۔ مَیں نے بھی اسی نقطہ نگاہ سے اِس واقعہ کو لیا ہے کہ اگر وہ یہ کہہ دیتا کہ مَیں نے شاید غلط سنا ہوگا تو وہ زیادہ قربانی سے بچ سکتا تھا لیکن اس نے کہا خواہ مجھے غلطی لگی ہو مگر چونکہ میرے کانوں نے سو فیصدی سنا ہے اِس لئے مَیں زیادہ قربانی کی طرف جاؤنگا تھوڑی کی طرف نہیں جاؤنگا۔ اُس کی یہ بات سن کر کہ ''میرے کانوں نے سنا ہے اِس لئے مَیں سو فیصدی ہی دونگا'' مَیں نے فیصلہ کیا کہ اس سے سو فیصدی ہی لے لینا چاہیئے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے اس کے کانوں میں اللہ تعالیٰ کی آواز آئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی آواز کو جھوٹا نہیں کرنا چاہیئے۔ مَیں نے کہا اچھا لاؤ تم سے سو فیصدی ہی لے لیتے ہیں۔

ہماری جماعت کے لئے یہ امتحان کوئی پہلا امتحان نہیں بلکہ اس سے پہلے کئی امتحان آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت ان امتحانات میں بالکل ثابت قدم رہی ہے۔ اور جتنا جتنا ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہمارے امتحانات بھی زیادہ شدت اختیار کرتے جائیں گے۔ اور کوئی وقت ایسا نہیں آ سکتا جبکہ ہم یہ کہہ سکیں کہ اب قربانیاں کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمیشہ قربانیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔ اور مومن کے لئے قربانی ہی سب سے مزیدار چیز ہے اور وہی اصل چیز ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک شعر ہے

در کوئے تُو اگر سرِ عشّاق را زنند
اوّل کسے کہ لافِ تعشُّق زَنَد مَنَم 2

اِس کے ایک معنی تو یہ کئے جاتے ہیں کہ اگر تیرے کُوچے میں تیرے حکم سے عاشقوں کے سر کاٹے جاتے ہوں تو مَیں پہلا شخص ہوں گا جو کہ بآواز بلند کہوں گا کہ مَیں بھی عاشق ہوں۔ عام طور پر یہی معنی کئے جاتے ہیں لیکن اس کے علاوہ ایک اَور نفسیاتی معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر میں قاتل کا ذکر نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر تیرے کُوچے میں عاشقوں کے سر کاٹے جاتے ہوں۔ یہ نہیں فرمایا کہ تُو سر کاٹتا ہو یا کاٹنے کا حکم دیتا ہو۔ اور جب کلام میں ایک چیز مبہم ہو تو معنوں میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کے جتنے معنی ہو سکتے ہوں وہ سارے لئے جا سکتے ہیں۔ پس میرے نزدیک اِس شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اَور نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیوی نعمتوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور لوگ جائیدادیں، زمینیں، عُہدے اور لیڈریاں لے لے کر جا رہے ہیں۔ اور اِس میں شک بھی کیا ہو سکتا ہے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے۔ یہ غلّے کون دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ یہ پھل جسے میوہ فروش فروخت کرتے ہیں کون دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ یہ ترکاریاں جو کہ ہم دکانوں سے خریدتے ہیں کون دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ یہ دودھ اور مکھن دینے والے جانور کس نے پیدا کئے؟ اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کئے۔ یہ سواری کے جانور اونٹ گھوڑے کس نے پیدا کئے؟ اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کئے۔ یہ کلیں 3 بنانے والا لوہا کس نے پیدا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا۔ یہ سُوئی جس سے ہم کپڑے بناتے ہیں کس کے دروازے سے ملتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے دروازے سے ہی ملتی ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مطلب کی چیز تیرے دربار سے لئے آ رہا ہے۔ زمیندار ہے تو وہ گندم، جَو، باجرہ، مکئی لئے آ رہا ہے۔ کوئی لوہا لکڑی لئے آ رہا ہے۔ کوئی پھل اور سبزیاں تیرے دربار سے لئے آ رہا ہے۔ اور کوئی دُنیوی علوم وفنون تیرے دربار سے لئے آ رہا ہے۔ مگر مَیں خاموش بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ دنیا مادی انعامات کی طالب ہے اور وہ اپنے مادی انعامات لے کر واپس جا رہی ہے۔ مگر مجھے اُن سے واسطہ نہیں۔ ابھی میرا موقع نہیں آیا۔ جب دنیا ساری کی ساری مال و دولت اور جائیداد کو لے کر آ جاتی ہے اور حقیقی روحانیت کا خیال اُس کے دلوں سے مٹ جاتا ہے اور مادی انعامات میں منہمک ہو کر سب کچھ بھول جاتی ہے۔ اُس کی

نگاہ صرف اِن چیزوں تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ کسی کی گندم پر نگاہ ہوتی ہے۔ کسی کی پھلوں پر نگاہ ہوتی ہے۔ کسی کی سونے پر نگاہ ہوتی ہے۔ کسی کی چاندی پر نگاہ ہوتی ہے۔ کسی کی نگاہ کسی چیز کی طرف، کسی کی نگاہ کسی چیز کی طرف ہوتی ہے۔ تو میری نگاہ اُن ہاتھوں پر ہوتی ہے جو کہ اِن انعامات کو تقسیم کر رہے ہوتے ہیں۔ جب دنیا اپنے مادی انعامات سے اپنی جھولیاں بھر کر لے جاتی ہے تو یہی سونا، چاندی، پیتل اور لوہا لینے والے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کے متعلق بُغض پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اعلان کر دیتے ہیں کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کا عاشق ہونے کا دعویٰ کرے اسے قتل کیا جائے۔ اور یکدم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عاشقوں کے امتحانات کا وقت آ جاتا ہے کہ آیا وہ اپنے دعویٔ عشق میں کامل ہیں یا نہیں۔ ایسے وقت میں مَیں بآوازِ بلند کہتا ہوں کہ مَیں اللہ تعالیٰ کا عاشق ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے عاشقوں سے یہ بُغض اور کینہ ہر زمانہ میں رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصریوں نے اِسی عشق کے دعوے کی وجہ سے قتل کرنا چاہا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو شام کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا عاشق ہونے کی وجہ سے ہی صلیب پر مارنا چاہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں عربوں نے آپؐ کو اللہ تعالیٰ کا عاشق ہونے کی وجہ سے ہی قتل کرنا چاہا۔ وہ اِس لئے قتل کرنا چاہتے تھے کہ یہ عاشق اُن کی باتوں کی تردید کرتے تھے۔ اِن تمام زمانوں کے مادہ پرست لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کوئی نہیں اور اُس کی محبت کوئی چیز نہیں۔ محض ایک جنون ہے۔ اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کا نام لے اُسے قتل کر دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا نام لینے کی وجہ سے دنیا قتل کرنا چاہتی ہو ایسے موقع پر

اوّل کسے کہ لافِ تعشُّق زند منم

یہ وقت میرا ہوگا۔ اور ایسے وقت میں مَیں وہ شخص ہوں گا جو بآواز بلند کہوں گا کہ مَیں اللہ تعالیٰ کا عاشق ہوں۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے عاشقوں پر ایک زمانہ وہ آتا ہے جب اُنہیں قتل کیا جاتا ہے۔ اور ایک زمانہ وہ آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی حکومت ہوتی ہے۔

حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ اور حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ ایسے زمانہ میں آئے جبکہ ہزاروں ہزار لوگ اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کو سروں پر اُٹھاتے تھے اور اُس وقت سچائی کی حکومت قائم تھی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایسے زمانہ میں آئے جبکہ اللہ تعالیٰ کے

محبوبوں اور عاشقوں کو قتل کیا جاتا تھا اور لوگوں کی تلواریں ایسے لوگوں کی تلاش میں تھیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مَیں زور سے چِلّاتا ہوں کہ جسے تم مارنا چاہتے ہو وہ مَیں ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کے نزدیک محبوب ترین چیز قربانی ہی ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے نام رکھے ہیں اور آپ سے بہت سے وعدے ترقیات کے کئے ہیں۔ مگر صوفیاء نے غور وخوض کے بعد آپؐ کا سب سے بڑا نام جو نکالا ہے وہ **عبد** ہے یعنی خدا تعالیٰ کا بندہ۔ ان کے نزدیک محمدؐ فاتحِ مکہ بڑا نہیں۔ محمد عظیم الشان قاضی بڑا نہیں۔ محمد بہترین جرنیل بڑا نہیں۔ **محمد اللہ تعالیٰ کا بندہ** سب سے بڑا ہے۔ کیونکہ اِس میں عشق ومحبت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اور عشق ومحبت کی وجہ سے قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اور جو شخص عشق ومحبت کے رستہ میں قربانی کرنے سے دریغ کرتا ہے اُس سے زیادہ بے وقوف اور کوئی نہیں۔ کہتے ہیں ''اُکھلی میں سر دیا تو موہلوں سے کیا ڈرنا'' کہ اُکھلی میں سر دے کر یہ کہنا کہ موہلے نہ مارو بے وقوفی کی بات ہے ہر جماعت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کی جاتی ہے وہ مار کھانے کے لئے ہی آتی ہے۔ اور اسے ہر چیز اللہ تعالیٰ کے رستے میں قربان کرنی پڑتی ہے۔ یہی چیز ہے جو ابتدائی لوگوں کو بعد والوں پر فضیلت بخشتی ہے۔ کیونکہ پہلے لوگ ایسے وقت میں عشق کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ عشق کی قربانی سر کٹوانا ہوتی ہے اور دنیا اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کے سر کاٹتی ہے۔ اور بعد والے ایسے وقت میں آتے ہیں جبکہ دنیا عاشقوں کو سر پر بٹھاتی ہے۔ دونوں ہی سچے عاشق ہوتے ہیں۔ لیکن اپنی ابتدائی قربانیوں کی وجہ سے بعد والوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، اور حضرت زبیرؓ بھی عاشق تھے۔ اور بعد میں آنیوالے حضرت سید عبد القادر صاحب جیلانیؒ، اور حضرت جنید بغدادیؒ بھی عاشق تھے۔ لیکن جب تم حضرت عثمان بن مظعونؓ کا ذکر کرتے ہو تو تمہارے قلوب میں ان کے لئے محبت اور پیار کا ایک طوفان اٹھتا ہے۔ لیکن سید عبد القادر صاحبؒ اور جنید صاحب بغدادیؒ کے لئے وہ جوش محبت نہیں اٹھتا۔ حالانکہ یہ سارے کے سارے ہی اللہ تعالیٰ کے عاشق تھے۔ یہ فرق اِس لئے ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسے وقت میں عشق کا دعویٰ کیا جبکہ عاشقوں کے سر کاٹے جاتے تھے۔ اور سید عبد القادر جیلانیؒ اور جنید بغدادیؒ نے ایسے وقت میں عشق کا دعویٰ کیا جبکہ عاشقوں کو سر پر بٹھایا جاتا تھا۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ کا واقعہ تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ ایک دفعہ عکاظ کا میلہ لگا ہوا تھا۔ اور اُس میں دور دراز کے شعراء اپنا کلام پیش کر رہے تھے۔ حضرت لبیدؓ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ بھی اپنا کلام سنانے کے لئے آئے تھے اور لبیدؓ عرب کے شاعروں میں سے مانے ہوئے شاعر تھے۔ حضرت لبیدؓ نے اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کیا اور جب انہوں نے کہا

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلُ۔

تو حضرت عثمانؓ نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام چیزیں فناء ہونے والی ہیں۔ حضرت لبیدؓ کو اِس بچے کی داد بہت بُری معلوم ہوئی۔ انہوں نے کہا اے رؤسائے مکہ! اب تم میں شرافت باقی نہیں رہی؟ یہ کل کا بچہ میرے شعروں کی تصدیق کرتا ہے۔ کیا اِس کی تصدیق کے بغیر میرے شعر مانے نہیں جا سکتے۔ لوگوں نے اُن کو ڈانٹا کہ خبردار بچے! اب نہ بولنا۔ پھر انہوں نے دوسرا مصرعہ پڑھا۔

وَ کُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلُ۔

تو حضرت عثمانؓ نے فوراً کہہ دیا۔ یہ غلط بات ہے۔ جنت کی نعمتیں تو ہمیشہ رہیں گی۔ اِس پر ایک سردار کو غصہ آیا تو اس نے اُٹھ کر زور سے اُن کے منہ پر گھونسا مارا اور وہ گھونسا آپ کی آنکھ پر لگا اور انگوٹھا آنکھ کے اندر گھس گیا جس سے آنکھ کا ڈھیلا باہر آ گیا۔ اِس پر آپ کے باپ کا ایک دوست جس نے آپ کو پہلے پناہ دی ہوئی تھی وہ آپ کی یہ حالت دیکھ نہ سکا۔ لیکن کہتے ہیں "اکیلا چنا بھاڑ ڈھائے؟" وہ اکیلا کیا کر سکتا تھا۔ چونکہ تمام رؤساء سے اکیلا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے بجائے اُن کو ناراض ہونے کے حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ مَیں نے تمہیں نہ کہا تھا کہ تم میری پناہ میں رہو؟ تم نے میری پناہ میں رہنا پسند نہ کیا اور آج اس کا نتیجہ دیکھ لیا کہ تمہاری آنکھ نکل گئی۔ وہ کافر تھا اُسے اُس چاشنی کا کیا علم تھا جو حق کے اندر ہوتی ہے۔ وہ حضرت عثمانؓ کی اُس مصیبت کو دیکھ کر بے تاب ہو رہا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا آپ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں میری ایک آنکھ نکل گئی۔ خدا کی قسم! میری تو دوسری آنکھ بھی نکلنے کے لئے تیار بیٹھی ہے۔ 4 یہ ہے وہ عشق کی چاشنی کہ

در کُوئے تُو اگر سر عشّاق را زنند
اول کسے کہ لاف تعشّق زند منم

عاشقوں پر دو ہی قسم کے زمانے آتے ہیں۔ ایک زمانہ وہ ہوتا ہے جب عاشقوں کے سر کاٹے جاتے ہیں اور عشق کی سزا قتل ہوتی ہے۔ اور پھر بعد میں وہ زمانہ آتا ہے جب کہ لوگ عشق کے نام پر عاشقوں کو سروں پر اُٹھاتے ہیں۔ اگر اب تم عشق کے راستے میں قربانیاں پیش کرو گے تو اجر بھی پہلے لوگوں جیسا پاؤ گے۔

پس ہمارا فرض ہے کہ ہر قربانی کے مطالبہ کو انعام سمجھتے ہوئے پورا کرتے جائیں اور اسے مصیبت خیال نہ کریں۔ اور ہم میں یہ احساس نہ پیدا ہو کہ ہم سے ایک فیصدی کی بجائے 1/2 فیصدی کیوں نہیں لیا جاتا۔ بلکہ ہم میں احساس پیدا ہو تو یہ ہو کہ ہم سے سَو فیصدی کا کیوں مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ ایک فیصدی کا مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے؟ مَیں دیکھتا ہوں کہ جماعت کے اندر احساس اور بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ ہماری جماعت میں ایمان موجود ہے۔ جب بھی جماعت بیدار ہوتی ہے تو وہ اعلیٰ درجے کی قربانی پیش کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسے زمانہ سُلا ضرور دیتا ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن جب جماعت بیدار ہوتی ہے تو شیروں کی طرح بیدار ہوتی ہے۔ اور اب بھی مَیں سمجھتا ہوں کہ جماعت بیدار ہو رہی ہے۔ اور وہ اپنے شایانِ شان قربانی کا نمونہ پیش کرے گی۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ جو لوگ بیدار ہو چکے ہیں وہ دوسروں کو بھی بیدار کریں تا کہ جماعت بحیثیت جماعت اس قربانی میں اعلیٰ نمونہ پیش کرے۔ یہ مت خیال کرو کہ پہلے امتحانات میں سے پاس ہونا ہی تمہارے لئے کافی ہے بلکہ ہر امتحان جو نئے سال میں آتا ہے اُس کا پاس کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر تم نے پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کا امتحان پاس کر لیا ہے تو پانچویں میں بھی پاس ہونا ضروری ہے۔ اِسی طرح اگر تم نے پانچویں، چھٹی اور ساتویں کا امتحان پاس کر لیا ہے تو آٹھویں میں بھی پاس ہونا ضروری ہے۔ اس طرح اگر تم نے نویں جماعت کا امتحان پاس کر لیا ہے تو دسویں جماعت میں بھی پاس ہونا ضروری ہے۔ یا اگر تم نے دسویں، گیارھویں اور بارھویں اور تیرھویں کا امتحان پاس کر لیا ہے تو چودھویں سال بھی کامیابی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اِس کے سوا تم بی اے کی ڈگری حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اگر تم بی اے میں فیل ہو گئے تو پچھلی ساری عزت اور محنت برباد ہو جائیگی۔ پس ہر امتحان میں کامیاب ہونے کی کوشش کرو۔ لیکن مَیں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ بعض بڑی بڑی جماعتیں ابھی تک بیدار نہیں ہوئیں۔

سیالکوٹ کی جماعت سے ایک کوتاہی ہوئی۔ ناظر بیت المال نے اُس پر گرفت کی تو بجائے بیدار ہونے کے انہوں نے غلط رویہ اختیار کیا۔ یہ کوتاہی ان سے سہواً ہوگئی ورنہ مَیں سمجھتا ہوں کہ سیالکوٹ کی جماعت بہت مخلص جماعت ہے اور اس کے متعلق بعض میری خوابیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیالکوٹ کی جماعت اسلام کی خدمت میں ایک دفعہ پھر نمایاں حصہ لے گی۔ انہوں نے مجھے سندھ میں اس بارہ میں ایک خط لکھا کہ معاملہ اِس اِس طرح ہے جس سے بجائے انکی بریت ثابت ہونے کے وہ ملزم ہی ثابت ہوئے تھے۔ لیکن اب جو اُنکی طرف سے رپورٹ آئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوتاہی کا کفارہ کر دیا ہے۔ اِسی طرح بعض اَور جماعتوں سے جو رپورٹیں آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعتیں بیداری سے کام کر رہی ہیں۔ قادیان میں عورتیں خصوصاً بہت اچھا کام کر رہی ہیں مرد بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن مردوں کی طرف سے مجھے ابھی تک کوئی رپورٹ نہیں ملی۔ لیکن چونکہ میری بیوی لجنہ اماء اللہ کی سیکرٹری ہیں اس لئے اُن کو میرے کان میں بات ڈالنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں بعض بڑی جماعتوں کا کام غیر تسلی بخش ہے۔ مثلاً لاہور کی جماعت کی ہی جو رپورٹ پہنچی ہے اس میں لاہور کی جماعت کی جائیدادوں کا سواں حصہ بھی درج نہیں۔ اسی طرح آمد کی جو رپورٹ ہے وہ دسویں حصہ کی بھی نہیں۔ لیکن مَیں سمجھتا ہوں لاہور کی جماعت اپنی قربانی کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کرے گی۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ رپورٹ نامکمل ہوگی۔ لاہور کی جماعت کے امیر شیخ بشیر احمد صاحب ہیں۔ اور اِس شوریٰ کے موقع پر اگر کسی نے حفاظتِ مرکز کے سوال پر جماعت کی صحیح طور پر نمائندگی کی تھی تو وہ شیخ صاحب ہی تھے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ لاہور کی جماعت قربانی کا صحیح نمونہ پیش کرے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تو بہت ہی سستی قربانی ہے آئندہ بہت بڑی قربانیاں آنیوالی ہیں تم اُن کے لئے تیاری کرو۔ ہماری لاکھوں کی جماعت ہے اگر جماعت اپنے فرض کو سمجھے تو چندہ کی رقم کروڑوں سے نیچے نہیں ہوسکتی۔ خواہ تم اس رقم کو کتنا ہی چھوٹا کرو پھر بھی کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ پس مَیں پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ تم تبھی اپنے آپ کو سچے عاشق کی حیثیت میں پیش کر سکتے ہو جب کہ سچے عاشقوں والی قربانیاں کر کے دکھاؤ۔

عاشق بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اندھے عاشق ہوتے ہیں اور ایک سجاکھے عاشق

ہوتے ہیں۔ مومن سچا کھے عاشق ہوتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اندھے عاشق اور بینا عاشق برابر نہیں ہوتے۔ درحقیقت کافر بھی تو عاشق ہی ہوتے ہیں لیکن وہ اندھے عاشق ہوتے ہیں۔ ابوجہل کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ اپنے وطن سے دور مدینہ پر جا کر حملہ کرتا۔ وہ لات وعزیٰ کا عشق ہی تھا جو اسے اپنے وطن سے دور لے گیا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بھی عشق تھا جو آپؐ کو مکہ سے مدینہ لے گیا۔ لیکن آپ کا عشق بِینا عشق تھا اور مکہ کے لوگوں کا اپنے بتوں سے اندھا عشق تھا۔ ورنہ مسلمانوں نے اُن کی جائیدادوں پر تو قبضہ نہیں کیا تھا کہ کفار اُن کے جانی دشمن بن گئے۔ وہ لات ومنات اور عُزیٰ کا عشق ہی تھا جو اُن کو دشمن پر برانگیختہ کرتا تھا۔ پس دونوں طرف ہی عشق تھا۔ لیکن ایک طرف اندھا عشق تھا اور دوسری طرف بِینا عشق تھا۔ دنیادار سچا کھے عاشق بھی اپنا نام دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں اور دنیا دیر تک اُن کو یاد کرتی رہتی ہے۔ گو ان واقعات کی فرضی شکل بنا دی جاتی ہے۔ شیریں اور فرہاد کے عشق کا واقعہ مشہور ہے اور صدیوں سے مشہور چلا آتا ہے۔ فرہاد کے علاوہ بھی ہزاروں ہزار عاشق دنیا میں گزرے ہیں لیکن اُن کو کوئی یاد نہیں کرتا۔ یہاں قادیان میں ہی ایک چوہڑا عاشق بنا پھرتا تھا اور گلیوں میں چلتے چلتے کہا کرتا تھا کہ میرا محبوب مجھے ملا دے۔ لیکن آج کون اُسے یاد کرتا ہے اور کتنے لوگوں نے اُس کے عشق کی کہانیاں بیان کی ہیں۔ لیکن فرہاد بینا عاشق تھا اور وہ عشق کی ذمہ داریوں کو سمجھتا تھا۔ جب اُس کے سامنے یہ شرط پیش کی گئی کہ شیریں تمہیں تب مل سکتی ہے جب تم پہاڑ کی دوسری جانب جو دریا بہتا ہے اُس میں سے نہر کاٹ کر لے آؤ۔ تو وہ تیشہ لے کر اکیلا ہی لگا رہا اور نہر کاٹ کر لے آیا۔ اس نے ثابت کر دیا کہ عاشق نکما اور سُست نہیں ہوتا اور قربانی کرنے سے وہ جی نہیں چُراتا۔ اُس کا عشق مادی عشق تھا مگر باوجود مادی عشق ہونے کے اس کی یاد آج تک لوگوں کے دلوں میں موجود ہے کیونکہ وہ بینا عاشق تھا۔ یہی حال مومن کا ہوتا ہے۔ اُس کا عشق آنکھیں کھلے ہوئے اور جانتے بوجھتے ہوئے ہوتا ہے۔ اور وہ یہ جانتے ہوئے عشق کا دعویٰ کرتا ہے کہ عاشق مارے جانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور عاشق اس کوشش میں رہتا ہے کہ محبوب کوئی چیز مانگے تو مَیں حاضر کروں۔ دنیا کے لوگوں کو یہ شکوہ ہوتا ہے کہ اتنا کیوں مانگا گیا؟ اور اِس کو شکوہ یہ ہوتا ہے کہ سارا کیوں نہیں مانگا گیا؟

پس جماعت کو چاہیئے کہ عشق کے معیار کو حقیقی طور پر بلند کرے۔ حقیقی عاشق عامل ہوتا ہے۔

وہ بیہودہ باتیں نہیں کرتا بلکہ جو بات کرتا ہے ماپ تول کر کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ ۔5 وطن کی محبت ایمان میں سے ہے۔ اور مومن کو اپنا وطن عزیز ہوتا ہے۔ آجکل دیکھو کتنی جگہ فسادات ہو رہے ہیں اور لوگوں کی بے وقوفی بھی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے کہ مارا امرتسر کے سکھوں نے اور بدلہ ملتان کے سکھوں سے لیا گیا۔ یا مارا ملتان کے مسلمانوں نے اور بدلہ گوڑگانواں کے مسلمانوں سے لیا۔ یہ کوئی عقل کی بات ہے؟ اِن حالات میں جماعت کا فرض ہے کہ ایک طرف تو دعائیں کرے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو اِن فسادات سے نجات دے اور دوسری طرف مظلوم کی مدد میں لگ جائے۔ ہم مسلمانوں کو سیاسی لحاظ سے مظلوم سمجھتے ہیں اور ان کے مطالبات کو جائز سمجھتے ہیں لیکن ہم اس بات کو جائز نہیں سمجھتے کہ مسلمان ہندوؤں پر یا ہندو مسلمانوں پر ظلم کریں۔ اس لئے تمہیں ہر جگہ مظلوم کی مدد کرنی چاہیئے۔ خواہ سکھ مظلوم ہو، خواہ مسلمان مظلوم ہو، خواہ ہندو مظلوم ہو۔ اِن حالات کا بدلنا قربانی چاہتا ہے۔ اور دنیا میں سب سے پاکیزہ قربانی تمہاری ہے۔ اگر تم قربانی کر کے ان فسادات کے روکنے میں کامیاب ہو جاؤ تو تمہارا آئندہ قدم زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر ہوگا۔''

(الفضل یکم مئی 1947ء)

1: اسد الغابۃ جلد 3 صفحہ 157 مطبوعہ ریاض 1286ھ نیز ابوداؤد ابواب الجمعۃ باب الامام یکلم الرجل فی خطبتہٖ

2: درثمین فارسی صفحہ 143 طابع وناشر سید عبدالحی شاہ صاحب

3: گلیں۔ گل کی جمع۔ مشین، آلہ

4: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 8 تا 10 مطبوعہ مصر 1936ء

5: موضوعات ملّا علی قاری صفحہ 35 مطبوعہ دہلی 1315ھ